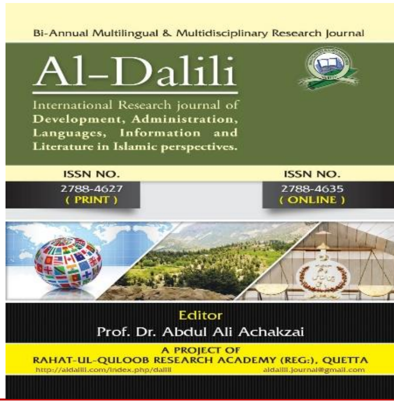

OPEN ACCESS

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

AL DALILI

Bi-Annual, Multilingual (Arabic, Balochi, Birahvi, English, Pashto, Persian,Urdu)

ISSN: 2788-4627 (Print), ISSN: 2788-4635 (online)

Project of **RAHATULQULOOB RESEARCH ACADEMY,**

Jamiat road, Khiljiabad, near Pak-Turk School, link Spini road, Quetta, Pakistan.

Website: www.aldalili.com

Approved by Higher Education Commission Pakistan

Indexing: » IRI (AIOU), Tahqeeqat, Euro pub, MIAR.

TOPIC

تحریک احیائے دین میں مجدد الف ثانیؒ کا کردار، این میری شمل کے نقطہ نظر کا تجزیہ

The Role of Mujaddid Alf Sani in the Religious Revival Movement, Analysis of Anne Marie Schimmel's view

AUTHOR

1. Dr. Ambreen Ali, Research Officer, Islamic Research Center, BZU, Multan, Pakistan. E-mail: ambreensheikh82@gmail.com
2. Prof. Dr. Abdul Quddus Suhaib, (Corresponding author), Chairman, Islamic Studies Department, BZU, Multan, Pakistan. Email: aqsuhaib@gmail.com

How to Cite: Ambreen Ali, & Prof. Dr. Abdul Quddus Suhaib. (2022). URDU: تحریک احیائے دین میں مجدد الف ثانی کا کردار این میری شمل کے نقطہ نظر کا تجزیہ: The Role of Mujaddid Alf Sani in the Religious Revival Movement, Analysis of Anne Marie Schimmel’s view. *Al-Dalili*, *4*(1), 74–95. Retrieved from https://aldalili.com/index.php/dalili/article/view/78

URL: https://aldalili.com/index.php/dalili/article/view/78

Vol.4, No.1 || July–December 2022 || URDU: Page. 74-95

Published online: 24-08-2022

QR. Code

تحریک احیائے دین میں مجدد الف ثانیؒ کا کردار، این میری شمل کے نقطہ نظر کا تجزیہ

The Role of Mujaddid Alf Sani in the Religious Revival Movement, Analysis of Anne Marie Schimmel's view

[1]عنبرین علی　　[2]عبدالقدوس صہیب

ABSTRACT:
During 16th century, there were several movements in the subcontinent that spread mental turmoil and social unrest, the general impression of these movements is that they created a rift in the religious beliefs of the Muslims of the subcontinent. Under the influence of Mughal emperor Jalaluddin Akbar, the ground was being paved for liberalism and atheism. In these circumstances, Sheikh Ahmad Sirhindi expressed his reaction against these movements and ideologies and made efforts on clarifying the eternity and necessity of Islamic beliefs and the Prophethood of Muhammad (P.B.U.H). He played an important role in protecting the Muslim government and society from the negative effects of atheism and liberalism. In the context of these efforts of Sheikh Ahmad Sirhindi, he is considered a great religious leader and a revivalist. Many scholars and leaders of the Islamic world highlighted his thoughts and followed his footsteps for the revival of Islamic values. However, a well-known German Orientalist, Anne Marie Schimal described Sheikh Ahmed Sirhindi's role as an attempt to achieve political ambitions. This view of Anne Marie Schmal is very important because in Islamic history, Sheikh Ahmed Sirhindi is known as a great reformer who played an everlasting role for the survival of Muslims in the subcontinent. Anne-Marie Schimal highlighted that Sheikh Ahmad Sirhindi, mystical character differs from the historical and traditional role of Sufis. In the subcontinent, traditional Sufi thought promoted Hindu-Muslim harmony and social tolerance. Despite religious differences, the Sufis referred to human social values as introductions where religion was not a reference to a fundamental identity, while Sheikh Ahmad Sirhindi and his followers referred to religion as a reference to a national identity and became the basis of bi-national ideology in India. Therefore, this paper investigates her views, that to what extent it is correct, because this view of Anne Marie Schimal regarding the efforts of Sheikh Ahmad Sirhindi may be of concern to many of his devotees and followers.
Keywords: Orientalists, Sufi thoughts, Politics, Subcontinent, Religious Revival.

شیخ احمد سرہندی[1] عرف مجدد الف ثانی کا زمانہ حیات (971ھ تا1034ھ / 1563ء تا1624ء) کئی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔
اس دور میں برصغیر میں ذہنی انتشار اور معاشرتی بے چینی پھیلانے والی کئی تحریکیں اٹھیں جن کے ہندوستانی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ ان تحریکوں کے بارے میں عام تاثر یہی پایا جاتا ہے کہ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے مذہبی اعتقادات میں ایک انتشار پیدا کر دیا۔ انہی ایام میں برصغیر پر مغل خاندان کے ایک سیاسی طور پر مستحکم بادشاہ جلال الدین اکبر (م1014ھ / 1605) اور اس کے ہم خیال امراء کے زیر اثر آزاد خیالی اور الحاد[2] کیلئے زمین ہموار کی جارہی تھی۔ اس صورت حال میں خواجہ باقی باللہ (م1012ھ / 1603)، شیخ احمد سرہندی

(م1034ھ /1624ء) اور دوسرے مذہبی رہنماؤں نے اس حوالے سے اپنے رد عمل کا اظہار کیا اور اس دور کی تحریکوں اور نظریات کے خلاف دین اسلام اور نبوت محمدی ﷺ کی ابدیت وضرورت کو واضح کرنے کے حوالے سے اپنے موقف کو بیان کیا اور الحاد و بے دینی اور آزاد خیالی کے منفی اثرات سے مسلم حکومت اور معاشرے کو بچانے کیلئے کردار ادا کیا۔

ان حالات میں شیخ احمد سرہندی کی کوششوں کے تناظر میں ان کو ایک عظیم مذہبی رہنما اور مجدد دین قرار دیا جاتا ہے اور الحاد و بے دینی کے اُس دور میں احیائے دین کے عظیم کارنامے کا سہرا آپ کے سر باندھا جاتا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو مضبوطی کے ساتھ اسلام کے ساتھ جڑے رہنے اور آپ ﷺ کی ذات اقدس سے بے پناہ محبت کرنے کی تلقین کی اور اسلام سے منحرف کرنے والے افراد اور تحریکوں کے خلاف مزاحمت کی۔ ان کی اس عظیم جدوجہد کو ان کے بیٹوں خواجہ محمد سعید (م1070ھ)، خواجہ محمد معصوم (م1079ھ / 1668ء) ان کے خلفاء اور شاہ ولی اللہ (م1176ھ /1762ء)، مرزا مظہر جان جاناں (م1195ھ) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م1225ھ / 1810) شاہ غلام علی دہلوی (م1240ھ /1824ء) اور ان کے علاوہ دنیائے اسلام کے کثیر علماء ومشائخ نے اجاگر کیا۔

تاہم ایک مشہور جرمن مستشرقہ این میری شمل (م1424ھ /2003ء) نے شیخ احمد سرہندی کے کردار کو سیاسی مقاصد کے حصول کی کوشش قرار دیا۔ وہ اپنی کتاب "And Mohammad Is His Massenger" میں لکھتی ہیں:

Ahmad Sirhind, like many other Naqshbandi leaders certainely had political ambitions, and this political role of his, which proved important for the development of Indo-Muslim self-conciousness, has been highlighted during our own century by the defenders of Two Nation theory; that the Muslims of India form a closed community, sharply distinguished from the Hindu majority[3]

ترجمہ: کئی دوسرے نقشبندی رہنماؤں کی طرح احمد سرہندی کے بھی یقیناً سیاسی عزائم تھے اور ان کے اس سیاسی کردار کو ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے وجود کا احساس دلانے کے ضمن میں اہم حیثیت حاصل ہے۔ خود ہماری صدی میں بھی دو قومی نظریے کا دفاع کرنے والے لوگ احمد سرہندی کے اس کردار کو اجاگر کرتے رہے ہیں جس کی رو سے ہندوستان کے مسلمان باہم پیوست اور ہندو اکثریت کے مقابلے میں ایک حد درجہ منفرد قوم ہیں۔[4]

شیخ احمد سرہندی کے تجدیدی کردار کے بارے میں این میری شمل کا یہ نقطہ نظر نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسلامی تاریخ میں شیخ احمد سرہندی کو ایک عظیم مصلح کے طور پر جانا جاتا ہے جنہوں نے مذہبی طور پر مسلمانوں کی بقاء کیلئے ایک لازوال کردار ادا کیا۔ لیکن این میری شمل کے مطابق ان کی تجدیدی کوششوں کے سیاسی حوالے بھی تھے جو نہایت اہم ہیں، حقائق کی روشنی میں اس نقطہ نظر کا جائزہ لیا جانا بہت ضروری ہے تاکہ پتہ چل سکے کہ این میری شمل کا نقطہ نظر درست ہے یا نہیں؟ اور اگر درست ہے تو کس حد تک درست ہے کیونکہ شیخ احمد سرہندی کے کردار کے حوالے سے این میری شمل کا یہ نقطہ نظر ان کے بہت سے عقیدت مندوں کیلئے تشویش کا باعث ہو سکتا ہے اس لیے کہ صوفیاء کے نزدیک حقیقی بندگی اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اور سماجی امتیازات، تعصبات اور نفرت کو ختم کیے بغیر خدا سے محبت کا دعویٰ بے معنی رہتا ہے۔ اور عبادت کا مقصد مذہب کی ظاہری رسوم کی پابندی نہیں بلکہ نوع انسانی سے محبت، ہمدردی اور بے لوث خدمت ہے۔

شیخ احمد سرہندی کے کردار کے بارے میں این میری شمل کے نقطہ نظر کے پس منظر میں ان کا صوفیانہ کردار، صوفیاء کے تاریخی و

روایتی کردار سے مختلف نظر آتا ہے۔ برصغیر میں روایتی صوفی فکر کے نتیجہ میں ہندو مسلم ہم آہنگی اور معاشرتی رواداری کو فروغ ملا۔ مذہبی طور پر اختلافِ فکر ہونے کے باوجود صوفیاء کے ہاں انسانی سماجی اقدار تعارف کے حوالے تھے جہاں مذہب کو بنیادی تشخص کا حوالہ قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ جبکہ شیخ احمد سرہندی اور ان کے پیر و علماء نے مذہب کو قومی تشخص کا حوالہ قرار دیا جو آگے چل کر ہندوستان میں دو قومی نظریہ کی بنیاد بنا۔

سولہویں / سترہویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں احیائے دین کیلئے کئی شخصیات نے کردار ادا کیا لیکن مذہبی تاریخ میں شیخ احمد سرہندی کا نام دوسرے مصلحین کی نسبت زیادہ ذکر کیا جاتا ہے اور بقول ابوالکلام آزاد شیخ احمد سرہندی کا شمار بھی ان اکابر امت میں ہوتا ہے جن کی تعظیم و توقیر تو حسنِ اعتقاد کی بناء پر بہت کی جاتی ہے لیکن ان کی زندگی کے اصل کارناموں پر پردے پڑ گئے ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کی تجدید محض ردِّ بدعاتِ جہال صوفیاء، تحقیقِ معارفِ تصوف اور اعلانِ توحیدِ شہودی میں منحصر ہے حالانکہ معاملہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور ان کی زندگی میں بھی بہت کم لوگوں کی وہاں تک رسائی ہوئی تھی۔[5]

مجدد الف ثانی کے کردار کے بارے میں این میری شمل کا نقطہ نظر:

این میری شمل نے اپنی کتاب "And Mohammad Is His Messenger" میں جو کہ بنیادی طور پر سیرت رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہے، برصغیر میں اسلامی احیاء اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کی ترغیب و تلقین کے حوالے سے شیخ احمد سرہندی کے کردار کو سیاسی مقاصد کا حامل قرار دیا۔

این میری شمل کا یہ نقطہ نظر غور طلب اور قابل توجہ ہے کیونکہ اکثر مسلمان مؤرخین کے مطابق شیخ احمد سرہندی نے خالص مذہبی اور دینی جذبے کے تحت اصلاح امت کا کام سرانجام دیا اور اس سے ان کی کوئی سیاسی غرض وابستہ نہ تھی۔ این میری شمل نے نہ صرف شیخ احمد سرہندی کو سیاسی کردار کا حامل قرار دیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان کے ماقبل نقشبندی حضرات کی طرح ان کے پیش نظر بھی سیاسی مقاصد تھے۔ اس طرح انہوں نے سلسلہ نقشبندیہ کے اسلاف کو بھی سیاسی کردار کا حامل قرار دیا۔ وسطی ایشیا میں نقشبندی سلسلہ کے سیاسی کردار کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں:

Ahmad Sirhindi was a member of Nqashbandi order, which had developed in Central Asia and played an important role in Central Asian politics during the fifteenth century; almost all the scholars and poets connected with the Timurid court of Herat were associated with the Naqshbandiyya.At the same time, politics in Bukhara and adjacent areas were largely under the influence of the Naqshbandi master 'Ubaidullah Ahrar, a man of great charisma and politlical acumen.[6]

ترجمہ: احمد سرہندی کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ سے تھا جسے وسطی ایشیا میں فروغ حاصل ہوا اور جس نے پندرہویں صدی عیسوی کے دوران وسط ایشیا کی سیاست میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ ہرات کے تیموری دربار سے وابستہ تقریباً تمام مفکرین اور شاعروں کا تعلق نقشبندیہ سلسلہ سے تھا۔ اسی عرصے میں بخارا اور اس کے ملحقہ علاقوں کی سیاست نقشبندی بزرگ عبید اللہ احرار کے زیر اثر تھی۔ وہ سیاسی فہم و فراست رکھنے والی طلسماتی شخصیت کے مالک تھے۔

این میری شمل کے مندرجہ بالا بیان کے مطابق نقشبندی سلسلہ سے وابستہ لوگ سیاست میں اہم کردار کے حامل تھے اور خاص طور

پر خواجہ عبید اللہ احرار وسط ایشیا کی سیاست کے اہم ستون تھے۔ لیکن چونکہ عام طور پر صوفیاء کا سیاست میں ملوث ہونا معیوب سمجھا جاتا ہے اس لیے اسلامی تناظر میں اس بات کو باعث تشویش خیال کیا جاتا ہے۔ این میری شمل آگے چل کر اکبر کی مذہبی پالیسیوں کے خلاف شیخ احمد سرہندی کے کردار کے بارے میں اپنے تجزیے کے مطابق لکھتی ہیں کہ:

Ahmad Sirhindi joined the Naqshbandi order and soon began to preach against the tendencies of the emporer Akbar, which seemed to many to blur the borders between Islam and "infidelity". He would not accept any religious way as valid with the axception of Islam. His concept was that of a mystically tinged Islam which yet retained its pristine purity without any admixture of pagan, that in his case, Hindu elements.[7]

ترجمہ: احمد سرہندی بھی نقشبندیہ سلسلے میں شامل ہو گئے اور انہوں نے اکبر بادشاہ کے رجحانات کے خلاف تبلیغ کا آغاز کر دیا۔ بہت سے لوگ یہ محسوس کرتے تھے کہ اکبر کے رجحانات کے باعث اسلام اور کفر کے درمیان سرحدیں دھندلا گئی ہیں۔ احمد سرہندی اسلام کے سوا کسی طریقے کو روا نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا نظریہ تصوف کی چاشنی کے حامل ایک ایسے اسلام کی عکاسی کرتا تھا جو ہر طرح کی بت پرستی، الحاد ، شرک اور ہندو عنصر سے پاک اور خالص ہو۔

این میری شمل کے مطابق شیخ احمد سرہندی نے اکبر کے مذہبی خیالات کی مخالفت اور اسلام میں کسی اور مذہب کے امتزاج کے خلاف جدوجہد کی۔ انہوں نے مسلمان کی زندگی میں آپ ﷺ کے بنیادی کردار اور اہمیت کی وضاحت کی اور اس کے مطابق زندگی گزارنے پر زور دیا۔ این میری شمل نے اکبر کی مذہبی پالیسیوں کے خلاف شیخ احمد سرہندی کی کوششوں کا اعتراف کرنے کے بعد ان کی کوششوں کو سیاسی رنگ دیتے ہوئے لکھا کہ:

Ahmad Sirhindi, like many other Naqshbandi leaders certainely had political ambitions, and this political role of his, which proved important for the development of Indo-Muslim self-conciousness, has been highlighted during our owm century by the defenders of Two Nation theory; that the Muslims of India form a closed community, sharply distinguished from the Hindu majority.[8]

ترجمہ: کئی دوسرے نقشبندی رہنماؤں کی طرح احمد سرہندی کے بھی یقیناً سیاسی عزائم تھے اور ان کے اس سیاسی کردار کو ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے وجود کا احساس دلانے کے ضمن میں اہم حیثیت حاصل ہے۔ خود ہماری صدی میں بھی دو قومی نظریے کا دفاع کرنے والے لوگ احمد سرہندی کے اس کردار کو اجاگر کرتے رہے ہیں جس کی رو سے ہندوستان کے مسلمان باہم پیوست اور ہندو اکثریت کے مقابلے میں ایک حد درجہ منفرد قوم ہیں۔

این میری شمل نے مندرجہ بالا بیان میں واضح طور پر شیخ احمد سرہندی کے تجدیدی کردار کو سیاسی قرار دیا ہے لیکن اکثر مسلمان مؤرخین کے مطابق شیخ احمد سرہندی کی کوششیں مخلصانہ طور پر مذہبی مقاصد کیلئے تھیں۔ وہ معاشرے میں عام مسلمانوں اور امراء سلطنت کی اصلاح کے متمنی تھے اور اس بات کا ثبوت ان کے کئی مکاتیب سے ملتا ہے۔ خود این میری شمل نے بھی اس بات کو بیان کیا ہے کہ شیخ احمد سرہندی نے آپ ﷺ کی رسالت اور نبوت کی ضرورت واہمیت کو واضح کیا لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے شیخ احمد سرہندی کی طرف سے

آپ ﷺ کی سیاسی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی ریاست اور معاشرے میں سیاسی کردار کی طرف اشارہ کیا ہے۔لہٰذا وہ لکھتی ہیں:

The reformer (Ahmad Sirhindi) then developed the theory that a normal be-liever is called to reconstitute the original menifestataion of Mohammad (PBUH). That means that believer would make apparent in the world not only the spiritual but also the political and social aspects of the Prophet,s teaching, and thus give Islam a new luster.[9]

ترجمہ: شیخ احمد سرہندی نے نظریہ پیش کیا کہ ایک عام مسلمان کو حضرت محمد ﷺ کے حقیقی ظہور کی از سر نو اصلاح اور تجدید کرنی چاہیے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کو نہ صرف حضور ﷺ کی روحانی بلکہ سیاسی اور سماجی تعلیمات پر بھی عمل پیرا ہونا چاہیے تاکہ اسلام کو ایک نئی عظمت اور شان و شوکت حاصل ہو سکے۔

این میری شمل کے اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی کی کوششوں کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو اسوۂ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دینا تھا جس کے ذریعے وہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا کتاب کے علاوہ این میری شمل نے اپنی ایک اور کتاب "Mystical Dimensions of Islam" میں بھی نقشبندی حضرات کے بارے میں تقریباً اسی قسم کے نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نقشبندیہ کے سیاسی کردار کے بارے میں ایک پختہ خیال قائم کر چکی تھیں کہ یہ سلسلہ اسلامی اقدار کے فروغ کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست میں سیاسی کردار ادا کرنے کے بارے میں ہمیشہ سے کوشش کر تا رہا ہے۔اگرچہ اسلامی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کی خاطر ان میں سیاسی شعور بیدار کرنا اور ان کو اپنی جداگانہ حیثیت یاد دلانا کوئی معیوب بات نہیں ہے لیکن این میری شمل نے مذہب کی بنیاد پر نقشبندیہ سلسلے کے سیاسی کردار کو اجاگر کیا ہے۔برصغیر میں نقشبندیہ کے سیاسی کردار کے حوالے سے وہ لکھتی ہیں:

This order was extremely successful to play a major role in Central Asian politics during the seventheenth and early eighteenth centuries.In India, the Naqshbandiyya gained a firm footing shortly before 1600, i.e, near the end of Akbar’s reign. At that time, Khwaja Baqi billah apposed the sweeping religious attitude that prevailed in the circles surrounding Akbar.[10]

ترجمہ: اس سلسلے نے سترہویں اور اٹھارہویں صدی کے ابتدائی حصے میں وسطی ایشیا کی سیاست میں اہم کردار ادا کرنے کے حوالے سے بہت زیادہ کامیابی حاصل کی۔ہندوستان میں نقشبندیہ سلسلے نے سترہویں صدی کے آغاز سے کچھ پہلے اپنے قدم مضبوطی سے جما لیے تھے اور اس وقت خواجہ باقی باللہ نے اکبر کے ارد گرد لوگوں میں تیزی سے پھیلتے ہوئے مذہبی رویے کی مخالفت کی۔

این میری شمل عمومی طور پر نقشبندیہ سلسلے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اکبر کے دور کے اختتامی سالوں میں نقشبندیہ سلسلہ برصغیر میں پہنچ چکا تھا اور خواجہ باقی باللہ، جن کے ذریعے یہ سلسلہ یہاں پہنچا تھا،نے اکبر اور اس کے ہم خیال لوگوں کے درمیان تیزی سے جگہ پانے والے مذہبی رویوں اور نظریات کے خلاف جدوجہد شروع کر دی تھی اور انہوں نے یہاں پر اپنے مریدوں کا ایک وسیع حلقہ قائم کر لیا تھا جن میں ایک اہم شخصیت احمد سرہندی کی تھی۔اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ لکھتی ہیں کہ:

It was Baqi billah’s disciple, Ahmad Faruqi Sirhindi who was destined to play a major role in Indian religious and to some extent, political life.[11]

ترجمہ: خواجہ باقی باللہ کے مرید احمد فاروقی سرہندی نے ہندوستان کی مذہبی اور کسی حد تک سیاسی زندگی میں اہم کردار ادا کرنے کو اپنے پیش نظر منزل قرار دیا۔

اس طرح این میری شمل کے مطابق شیخ احمد سرہندی نے ہندوستان کی مذہبی اور سیاسی زندگی میں کردار ادا کرنے کیلئے کوششیں کیں اور ان کی بہت سی کتابوں میں سے سب سے اہم ان کے وہ خطوط ہیں جو انہوں نے مختلف لوگوں کو لکھے اوران میں سے ستر (70) خطوط ایسے ہیں جو اراکین سلطنت کو لکھے گئے جن کی وجہ سے انہیں "مجدد الف ثانی" اور "امام ربانی" جیسے القاب دیے گئے۔ این میری شمل کا ایک قابل غور خیال یہ ہے کہ شیخ احمد سرہندی کا مغلوں کی مذہبی زندگی پر اتنا اثر نہیں تھا جتنا ان کے اخلاف دعویٰ کرتے ہیں بلکہ ان کا ہندوستان کی مذہبی زندگی کی بجائے سیاسی زندگی میں زیادہ کردار تھا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ۱۷۴۰ء تک کارِ حکومت میں کسی نہ کسی حوالے سے کردار ادا کرتے رہے۔ اس حوالے سے وہ لکھتی ہیں:

It may be true that Sirhindi's direct influence upon Mughal religious life was not as strong as his modern adherents claim, but the fact remains that the Naqshbandiyya, though a mystical order, has always been interested in politics, regarding the education of the ruling class as absolutely incumbent upon them. We may safely accept the notion that Ahmad's successor in the order had a hand in the political development that followed his death and that this situation continued until about 1740.[12]

ترجمہ: یہ کہا جا سکتا ہے کہ احمد سرہندی کا مغلوں کی مذہبی زندگی پر براہ راست اتنا اثر نہیں تھا جتنا کہ اس کے جدید پیروکار دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اگرچہ نقشبندیہ ایک صوفیانہ سلسلہ ہے، تاہم اس سلسلے سے منسلک افراد حکمران جماعت کی اصلاح ، جس کو وہ اپنا فرض سمجھتے تھے، کی غرض سے ہمیشہ سیاسی امور میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ نقشبندیہ سلسلے میں احمد سرہندی کے جانشین ان کی وفات کے بعد تقریباً1740ء تک سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے ہیں۔

این میری شمل کے مندرجہ بالا بیان سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی اور ان کے جانشین حکمرانوں کی اصلاح کی غرض سے ان کے قریب ہوئے تھے اور ان کا اس سے کسی قسم کے سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ لیکن اس کا یہ کہنا غور طلب ہے کہ شیخ احمد سرہندی کا مغلوں کی مذہبی زندگی پر کوئی خاص اثر نہیں تھا کیونکہ اکثر مسلمان مؤرخین کے مطابق شیخ احمد سرہندی کی کوششوں کی بدولت ہی جہانگیر کے خیالات میں تبدیلی پیدا ہوئی تھی اور بعض مؤرخین کے مطابق شاہجہاں اور اس کے بعد اورنگزیب کا دور شیخ احمد سرہندی کی احیائے دین کی کوششوں کا ثمر دیکھنے کا زمانہ تھا[13] کیونکہ ترویج شریعت کے اعتبار سے جہانگیر کے دور کو عبوری دور کہہ سکتے ہیں جس میں ان بہت سی خرابیوں کا قلع قمع کر دیا گیا جن کی بنیاد اکبر بادشاہ نے رکھی تھی اور انقلابِ نو کی تکمیل شاہجہاں اور اورنگزیب کے دور میں ہوئی۔[14]

مختصر یہ کہ این میری شمل کے مطابق شیخ احمد سرہندی نے ہندوستان کے مسلمانوں کو مذہبی وسیاسی طور پر ایک وحدت قرار دیا۔ صوفیاء کے روایتی کردار کے برعکس مذہبی ہم آہنگی و رواداری کے قیام کی بجائے مختلف مذاہب کے ماننے والوں، خاص طور پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین پائے جانے والے فرق کو واضح اور اجاگر کرنے میں ان کا کردار انتہائی اہم ہے۔ این میری شمل کے مطابق شیخ احمد سرہندی نے بین المذاہب ہم آہنگی اور معاشرتی مساوات کو نظر انداز کرتے ہوئے ہندوستان میں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان مذہب کی

بنیاد پر علیحدگی کی دیواریں کھڑی کرنے میں کردار ادا کیا اور اکبر کی صلحِ کل کی پالیسی کی مخالفت کی۔

این میری شمل کے اس نقطہ نظر کی بنیاد پر طبقہ صوفیاء کا روایتی کردار ہے جس کے مطابق صوفیاء نے انسانی ہمدردی اور رواداری کی بناء پر ہمیشہ بین المذاہب ہم آہنگی اور انسانی و معاشرتی مساوات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انسانیت کے درمیان کے دوریاں کم کرنے اور بحیثیتِ انسان ان کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوششیں کیں۔ لیکن شیخ احمد سرہندی کا کردار اس سے قدرے مختلف تھا جو قدامت پسند راسخ الاعتقاد لوگوں کیلئے تو پسندیدہ کردار قرار پایا لیکن جدت پسندوں کے مطابق ان کا کردار بین المذاہب ہم آہنگی اور مساواتِ نسلِ انسانی کے اصولوں کے خلاف تھا جس کی وجہ سے اس پر تنقید کی گئی۔

شیخ احمد سرہندی کے اس تجدیدی کردار کو این میری شمل(1922ء-2003ء) نے مذہبی کے بجائے سیاسی قرار دیا۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ این میری شمل کے نقطہ نظر کا جائزہ لینے سے پہلے شیخ احمد سرہندی کے تجدیدی کردار کے بارے میں چند مسلمان مفکرین کے مؤقف سے بھی واقفیت حاصل کر لی جائے کیونکہ اس سے شیخ احمد سرہندی کے کردار کے مذہبی، سیاسی یا بیک وقت مذہبی و سیاسی ہونے کے بارے درست رائے قائم کرنے میں مدد ملے گی۔

شیخ احمد سرہندی کا کردار اکثر علمائے اسلام کے نزدیک خالص مذہبی تھا اور اسی بناء پر عالم اسلام میں انہیں مجدد الف ثانی کا لقب دیا گیا۔ اور ان کو یہ لقب دینے والوں میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا نام ذکر کیا جاتا ہے جو 968ھ یا 969ھ میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔[15] آپ کے والد کا نام شیخ شمس الدین تھا۔ آپ نے مولانا کمال الدین کشمیری(م1074ھ/1666ء) سے علم حاصل کیا جو خواجہ عبید اللہ احرار کے بیٹے خواجہ عبدالشہید(م982ھ/1573ء) کے ارادت مند تھے۔[16]

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی(م1068ھ/1658ء) شیخ احمد سرہندی کے ہمعصر ہیں اوران کے مذہبی و اصلاحی کردار کے بارے میں نہایت واضح اور دوٹوک موقف کے حامل ہیں اوراسی مذہبی واصلاحی کردار کے اعتراف میں انہوں نے شیخ احمد سرہندی کی زندگی میں ہی ان کے نام ایک مکتوب میں ''مجدد الف ثانی'' کا لقب دیا۔[17] اور ان کی مجددیت کے اثبات میں ایک رسالہ دلائل التجدید لکھا[18] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی نے خالص اسلامی اقدار کی حفاظت اور شعائر اسلام کی ترویج واشاعت کیلئے کردار ادا کیا۔ اور اس سے معترضین کا یہ اعتراض بھی زائل ہو جاتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی کے کردار کو موجودہ دور میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا جارہا ہے اور سترھویں صدی عیسوی میں ان کے کردار کو اس قدر نہیں سراہا گیا۔ جس طرح Friedmann نے کہا کہ:

The derived concept of tajdid-e-alf is apparently Sirhind's innovation[19]

''بظاہر نظریہ ''تجدید الف'' سرہندی کی اپنی اختراع معلوم ہوتا ہے''

شیخ احمد سرہندی کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے Friedmann نے لکھا ہے کہ شیخ احمد سرہندی نبوت کے حوالے سے آپ ﷺ کی باطنی تعلیمات اور تزکیہ نفوس کیلئے ان کا عملی نفاذ چاہتے تھے اور حکومت اور عوام اور مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین تعلقات کی نوعیت ان کیلئے زیادہ اہمیت کی حامل نہ تھی۔[20]

Friedmann کے مذکورہ بالا نظریے سے این میری شمل کے نقطہ نظر کی مخالفت اور اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ احیائے دین

کی کوششوں کے پس منظر میں شیخ احمد سرہندی کے بنیادی مقاصد سیاسی نہیں تھے۔ اس کے علاوہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی شیخ احمد سرہندی کے مذہبی اصلاح کیلئے کردار ادا کرنے کی شہادت دی ہے اور ان کے کردار کو خالص مذہبی کردار قرار دیا ہے کیونکہ وہ انہیں ایک اعلی روحانی شخصیت تسلیم کرتے تھے اور ان کے مذہبی وروحانی کردار سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م1052ھ / 1642ء) شیخ احمد سرہندی (م1034ھ /1624) کے ہم عصر اور خواجہ باقی باللہ کے مرید ہونے کی نسبت سے وہ شیخ احمد سرہندی کے قریب بھی تھے۔ شیخ عبد الحق ان کی طرف سے مذہبی رہنمائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "دریں ایام صفای فقیر بخدمت میاں شیخ احمد سلمہ تعالیٰ از حد متجاوز ست واصلا پردہ بشریت وغشاوۂ جبلت بمیان نماندہ قطع نظر از رعایت طریقہ وانصاف وحکم عقل بااین چنین عزیزان وبزرگان بدنباید بود در باطن بطریق ذوق ووجدان وغلبہ چیزی افتادہ کہ زبان از تقریر آن لال ست"۔[21]

ترجمہ: مجھے شیخ احمد سرہندی نے باطن کی جو صفائی عنایت فرمائی ہے وہ بے حد وبے شمار ہے۔ انہوں نے ہمارے درمیان کوئی پردۂ بشریت وحجاب باقی نہیں رکھا۔ آپ نے طریقت، انصاف اور عقلی تمیز جو بزرگوں کا خاصہ ہے، اس دنیا کے اندر میرے باطن میں بطریقہ ذوق، وجدان وغلبہ کے پوری طرح جاگزیں کر دیا ہے جس کے اظہار سے زبان عاجز ہے۔[22]

اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ شیخ عبد الحق اور شیخ احمد سرہندی کے درمیان اختلافات تھے لیکن مندرجہ بالا شہادت سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ شیخ عبد الحق اور شیخ احمد سرہندی کے درمیان اختلافات ختم ہوگئے تھے اور شیخ عبد الحق ان کو اپنا روحانی رہنما تسلیم کرتے تھے جس کا اظہار ان کے بیٹے شیخ نور الحق نے بھی کیا۔[23] اس کے علاوہ سلسلہ قادریہ کے مشائخ کے ذکر میں خزینۃ الاصفیاء کے مصنف نے بھی اس بات کا ذکر کیا ہے کہ شیخ عبد الحق نے شیخ احمد سرہندی سے رجوع کر لیا تھا۔[24] اور خلیق احمد نظامی نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے۔[25]

شیخ احمد سرہندی کے اصلاحی کردار کے حوالے سے اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں بیان کرتے ہیں کہ:

آفتابیست کہ چشم منکراں ازاں خیرہ وروز حاسدان ازاں تیرہ ایں معارف کہ می شنوی وایں ہدایت ع ارشاد کہ می بینی باعلی ندا ندا میکند کہ صاحب آں مجدد است ونہ مجدد مائتہ بل مجدد الف صد تاہزار فرقی نہ اندک ست لو کنتم تعلمون۔[26]

شیخ عبد الحق کے مندرجہ بالا بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ شیخ احمد سرہندی کے تجدیدی واصلاحی کردار سے واقف تھے اور اس کا برملا اعتراف کرتے تھے اور واضح الفاظ میں ان کو مجدد کا لقب دیتے ہوئے ان کے عظیم مذہبی کردار کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ (م1176ھ /1762ء) عالم اسلام کے نامور محدث، فقیہ اور مفکر ہیں۔ آپ بھی ہندوستان میں شیخ احمد سرہندی کے مذہبی وروحانی کردار کے معترف اور ان کے عقیدت مندوں میں شامل ہیں۔ آپ شیخ احمد سرہندی کے مذہبی اور اسلامی اقدار کے فروغ کیلئے ادا کیے گئے کردار کی گواہی ان الفاظ میں دیتے ہیں: الرسالۃ التی انشأھااوحد زمانہ و فرید اوانہ ،الجھبذ الراسخ فی الشریعۃ و الطریقۃ والطود السامخ فی المعرفۃ والحقیقۃ،ناصر السنۃ و قامع البدعۃ، المسلك فی شرعۃ الھدی واکرم بھا من شرعۃ،سراج اللہ الموضوع لیستفئ بہ من شاء من عبادہ المؤمنین ،و سیف اللہ المسلول علی اعدائہ من الکفرۃ والمبتدعین،الامام العارف العالم الالمعی مولانا الشیخ احمد الفاروق الماتریدی الحنفی النقشبندی السرہندی۔[27]

شاہ ولی اللہ نے شیخ احمد سرہندی کے رسالہ رد روافض کی شرح میں ان کے تجدیدی واصلاحی کردار کو اجاگر کیا[28] اور امت مسلمہ پر

ان کے احسانات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا کہ اگر شیخ احمد سرہندی اکبری دور میں ارتداد والحاد کے خلاف جہاد نہ کرتے اور تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے تو مساجد میں اذانیں ہوتیں اور نہ مدارس دینیہ میں قرآن، حدیث، فقہ اور باقی علوم دینیہ کا درس ہوتا۔[29]

اقبال مجددی کے مطابق شاہ ولی اللہ کی شیخ احمد سرہندی کے افکار سے گہری وابستگی کے آثار ملتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے علمائے حرمین کی فرمائش پر شیخ احمد سرہندی کے رسالہ رد روافض کا عربی میں ترجمہ کیا اور شرح بھی لکھی جو المقدمۃ السنیۃ فی الانتصار للفرقۃ السنیۃ کے نام سے دہلی سے طبع ہوئی ہے۔ آپ نے اپنے ایک شاگرد محمد امین کشمیری کی درخواست پر شیخ احمد سرہندی پر مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے شیخ احمد سرہندی پر لگائے گئے بعض اعتراضات کے جواب میں دو اور رسالے خلتاور شواہد التجدید بھی لکھے جو مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ذخیرہ حبیب گنج میں موجود ہیں۔[30]

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی[31] جن کو چودھویں صدی ہجری کا مجدد کہا جاتا ہے[32] بھی شیخ احمد سرہندی کو مجدد الف ثانی تسلیم کرتے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی کا تجدیدی کردار مذہبی لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل تھا جس کو مابعد کے زعماء نے نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اس کو خراج تحسین بھی پیش کیا۔ امام احمد رضا خان شیعہ عقائد کے بارے میں ایک بات کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلماء کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: آپ جیسے صوفی منش کو حضرت شیخ مجدد الف ثانی صاحب رحمہ اللہ تعالی کا ایک ارشاد یاد دلاتا ہوں اور اس عین ہدایت کے امتثال کی امید رکھتا ہوں۔ حضرت ممدوح اپنے مکتوبات شریفہ میں لکھتے ہیں: "فساد مبتدع زیادہ تر از فساد صحبت صد کافر ست" (یعنی سو اعلانیہ کافروں سے ایک بدعتی زیادہ مہلک و خطرناک ہے) مولانا! انصاف کیجئے کہ آپ، زید یا دوسرے اراکین (ندوۃ العلماء) مصلحت دین ومذہب کو زیادہ جانتے ہیں یا حضرت شیخ مجدد؟ مجھے ہرگز آپ کی خوبیوں سے امید نہیں کہ اس ارشاد ہدایت بنیاد کو لغو و باطل جانیے اور جب وہ حق ہے اور بے شک حق ہے تو پھر کیوں نہ مانیے۔[33]

امام احمد رضا خان کے مندرجہ بالا مکتوب سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ شیخ احمد سرہندی کی مجددیت کے معترف تھے اور ان کو ہدایت یافتہ اور ان کے اقوال کو قابل تمسک تسلیم کرتے تھے۔

علامہ محمد اقبال بھی شیخ احمد سرہندی کے عقیدت مند تھے اور ان کے افکار و خیالات سے بہت حد تک متأثر تھے جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے نذر مانی تھی کہ جب جاوید اقبال بڑے ہو جائیں گے تو ان کو شیخ احمد سرہندی کے مزار پر لے جائیں گے چنانچہ جون 1934ء کو وہ جاوید اقبال کو سرہند لے گئے اور شیخ احمد سرہندی کے مزار پر حاضری دے کر واپس آئے۔[34] علامہ محمد اقبال شیخ احمد سرہندی کا بہت احترام کرتے تھے اور ان کے اصلاحی کردار کی نسبت سے ان کو مجدد تسلیم کرتے تھے۔ ایک خط میں سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں: "خواجہ نقشبند اور مجددِ سرہند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے مگر افسوس کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے۔ یہی حال سلسلہ قادریہ کا ہے جس میں، میں خود بیعت ہوں حالانکہ حضرت محی الدین کا مقصد اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا"۔[35]

اعجاز الحق قدوسی کے مطابق علامہ اقبال کا فلسفہ خودی درحقیقت شیخ احمد سرہندی کے نظریہ وحدت الشہود سے ہی ماخوذ ہے[36] علامہ اقبال نے 1931ء میں روما اور قاہرہ میں جو تقریریں کی تھیں ان میں شیخ احمد سرہندی کا بھی ذکر کیا تھا جس سے ان کی عقیدت ظاہر ہوتی ہے۔[37]

ہندوؤں کی مخالفت:

شیخ احمد سرہندی مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم سمجھتے تھے جس کا کسی حوالے سے ہندوؤں سے اتحاد نہیں ہو سکتا تھا اور اسی لیے وہ اعلانیہ طور پر ہندوؤں کی شدید مخالفت کرتے تھے باوجود اس کے کہ وہ بنیادی طور پر ایک صوفی تھے اور صوفیاء کے بارے میں عام تاثر یہی ہے کہ وہ لوگوں کے مابین محبت اور ہم آہنگی کے رشتے قائم کرتے ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی (م633ھ / 1235ء) کے عقیدت مندوں میں ہندو بھی شامل تھے۔[38]

شیخ احمد سرہندی نے ایک مکتوب میں خود اس بات کی وضاحت کی ہے کہ امراء سے تعلقات قائم کرنے کا مقصد فقط شریعت کی ترویج اور بالادستی قائم کرنے کی طرف ان کی توجہ مبذول کرانا تھا۔ شیخ فرید کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ آج کل اہل اسلام بڑی مشکل سے دوچار ہیں۔ اللہ نے آپ کو جاہ و جلال اور عظمت و شوکت عطا کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر شریعت کی ترویج کیلئے کوشش کریں تو یہ بہت بڑی نیکی ہو گی کیونکہ میں صرف شریعت کی ترویج و تائید کی خاطر آپ کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔[39]

شیعہ کی مخالفت:

این میری شمل کے مطابق شیخ احمد سرہندی نے ہندوستان میں تشیع کی ترویج کے خلاف جدوجہد کی اور خواجہ باقی باللہ سے ملاقات سے پہلے ہی شیعہ کے خلاف ایک رسالہ لکھا۔[40]

شیخ احمد سرہندی نہ صرف حکومتی سطح پر اصلاح کے متمنی تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی عقائد پر پختگی سے قائم رہنے کو بھی نہایت اہم تصور کرتے تھے۔

خواجہ عبید اللہ احرار کا سیاسی کردار:

این میری شمل نے دوسرے نقشبندیوں کے سیاسی کردار کی بات کرتے ہوئے خواجہ عبید اللہ احرار[41] (م895ھ / 1490ء) کی طرف اشارہ کیا ہے جن کے وسطی ایشیاء کے کئی حکمرانوں سے اچھے تعلقات تھے جن کا مقصد کوئی ذاتی مفاد یا غرض نہ تھی بلکہ وہ سلاطین سے ملاقات اللہ کے دین کی سربلندی اور اقامت کی خاطر کرتے تھے۔[42] اور ماوراء النہر میں خواجہ عبید اللہ احرار کا روحانی اور معاشرتی اثر و رسوخ اور بے شمار جائیداد اس علاقے میں ان کے بھرپور سیاسی کردار کا باعث تھا اور اربابِ اقتدار کیلئے ناگزیر ہو گیا تھا کہ وہ خواجہ عبید اللہ احرار کی حمایت اور خوشنودی حاصل کریں۔[43]

محض حکمرانوں سے تعلقات کی بناء پر کسی کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کے سیاسی مقاصد تھے، دعویٰ بادلیل نہیں ہے کیونکہ اسلامی تاریخ میں کئی مثالیں ایسی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جب بھی حکمرانوں نے اسلام کے اصولوں اور اسلامی اقدار کے حوالے سے غفلت برتی، اس زمانے کے مذہبی رہنماؤں نے ان کی اصلاح کی اور اس مقصد کیلئے ان سے رابطے بھی قائم کیے لیکن ان کے بارے میں کسی نے یہ نہیں کہا کہ ان کے کوئی ذاتی سیاسی مقاصد تھے۔ شاہ ولی اللہ (م1176ھ) کے مغل حکمرانوں سے اچھے تعلقات تھے اور مغل بادشاہ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ وہ عقیدت سے ان کے مدرسہ میں حاضر ہوتے تھے اور امراء و وزراء ان کے ایک کلمہ خیر میں اپنی خوش بختی سمجھتے تھے[44]

خواجہ عبید اللہ احرار کا بنیادی مقصد شریعت اسلامی کی ترقی و ترویج تھا[45] بعینہ وہی کردار شیخ احمد سرہندی نے اپنے زمانے میں انجام دیا کیونکہ شیخ احمد سرہندی بھی خواجہ عبید اللہ احرار کے نظریہ کے مطابق عوام کی اصلاح کیلئے بادشاہ کی اصلاح کو ناگزیر قرار دیتے تھے۔[46]

خواجہ عبید اللہ احرار کا مقصد ترویج شریعت اور تائید ملت کے علاوہ کچھ نہ تھا اور بادشاہوں سے ان کا تعلق بھی اسی مقصد سے تھا جس کی تائید اور اظہار شیخ احمد سرہندی کے ایک مکتوب سے بھی ہوتا ہے کہ خواجہ عبید اللہ احرار فرمایا کرتے تھے کہ میرا کام شریعت کو رواج دینا اور اس کی تائید کرنا ہے۔اسی لیے آپ بادشاہوں کی صحبت میں جایا کرتے تھے اور ان کے ذریعے شریعت کو رواج دیتے تھے۔[47]

شیخ احمد سرہندی کا عزیمت پر عمل:

جہانگیر نے بھی شیخ احمد سرہندی کی بے باکی کی گواہی دی ہے[48] اوراکثر مؤرخین کے مطابق جہانگیر کی طرف سے آپ کو قید کرنے کی وجہ شیخ احمد سرہندی کا جہانگیر کو سجدہ نہ کرنا تھی جس کی وجہ سے آپ کو تقریباًپانچ سال نظر بندی میں گزارنے پڑے۔ آپ نے اپنے مقصد کی خاطر قید قبول کرلی حالانکہ اگر آپ سیاسی مصلحت اور دربار کے قاعدے کے مطابق جہانگیر کو سجدہ کر لیتے تاکہ قید سے محفوظ رہتے اور یہی بات شاہجہاں نے آپ سے کہی تھی کہ اگر آپ رخصت پر عمل کرتے ہوئے بادشاہ کو سجدہ کر لیں تو میں ضمانت دیتاہوں کہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی لیکن آپ نے عزیمت پر عمل کرتے ہوئے بادشاہ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔[49] اس کے برعکس آپ قید کے دوران کئی مرتبہ جہانگیر سے ملے جو ہنوز کسی حد تک اپنے باپ اکبر کی صلح کل کی پالیسی پر گامزن تھا،[50] اور اسلامی تعلیمات کی تبلیغ اور اس کو اسلامی شریعت کی ترویج کی اہمیت سے آگاہ کرتے رہے جس کا ذکر انہوں نے اپنے فرزندوں کے نام ایک مکتوب میں کیاہے کہ بادشاہ سے بات چیت ہوتی ہے اور وہی باتیں ہوتی ہیں جو خاص صحبتوں میں ہوتی ہیں اور وہ خوشی سے سنتے اور قبول کرتے ہیں۔[51]

آپ قید کے دوران بھی اپنے حقیقی مقصد کو نہیں بھولے اور قید خانہ میں بھی اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام انجام دیتے رہے۔زندان گوالیار میں ہی کئی غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور کئی مجرموں نے صدق دل سے توبہ کی۔[52] مغربی تصانیف میں پروفیسر T. W. Arnold نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کی تبلیغی مساعی کا جائزہ لیا تھا اس لیے انہوں نے قلعہ گوالیار میں قید کے زمانے میں شیخ احمد سرہندی کی طرف سے بے شمار ہندو قیدیوں کو مشرف باسلام کرنے کی طرف خاص طور پر اشارہ کیاہے۔وہ لکھتے ہیں:

In the regin of the Emepror Jahangir (1605-1628) there was a certain sunni theologions, named Shaykh Ahmad Mujaddid, who especially distinguished himself by the with which he controverted the doctrines of the Shi'ahs: the latter, being at this time in favour in court, succeeded in having him imprisoned on some frivoloud charge; during the two years that he was kept in prison he converted to Islam several hundred idolaters who were his companions in same prison.[53]

شہنشاہ جہانگیر کے عہد حکومت (1605ء تا1628) میں کئی سنی مفکرین تھے جن میں سے شیخ احمد مجدد، جنھوں نے شیعہ عقائد و نظریات پر اس قوت سے بحث کی کہ اپنے آپ کو نمایاں کر لیا تھا،چونکہ شاہی دربار شیعوں کے حق میں ساز گار تھا اس لیے وہ شیخ احمد سرہندی کو گرفتار کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ آپ نے قید وبند کے دو سالوں میں اسی قید خانے میں اپنے ساتھ قید کئی سوبت پرستوں کو مسلمان بنالیا تھا۔

اس سے پتہ چلتاہے کہ قید خانے میں بھی آپ اپنے مقصد کو نہیں بھولے اور وہاں بھی تلقین و تبلیغ کرتے رہے اور جیل میں بھی کئی غیر مسلموں کو اسلام کا حلقہ بگوش کیا۔

ہندو مذہب کا جارحانہ احیاء اور شیخ احمد سرہندی کا کردار:

اکبر بادشاہ کے دور میں ہندوؤں کو بادشاہ کا بہت زیادہ قرب حاصل ہوا۔ اور اس دور میں ہندوستان میں ہندو مذہب کے احیاء کیلئے بہت زیادہ کوششیں کی گئیں۔ اس حوالے سے شیخ احمد سرہندی کا نقطہ نظر بہت واضح تھا اور وہ ہندوستان میں ہندو مذہب کے احیاء اور پھیلاؤ کے سخت خلاف تھے۔ انہوں نے اس کے خلاف آواز بھی اٹھائی۔

اکبر کے دور میں ہندوؤں کی تالیف قلب کیلئے ان کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا تھا۔[54] جسے اکبر کی صلحِ کل کی پالیسی سے یاد کیا جاتا ہے لیکن یہی وہ دور ہے جس میں ہندوستان میں ہندو مذہب کے احیاء کی تحریک زور شور سے چلائی گئی۔ اکبر کے زمانے میں ذبح بقر پر پابندی عائد کی گئی اور جزیہ موقوف کر دیا گیا۔ ہندوؤں کے زیر اثر آفتاب کے احترام کی روایت پڑی۔ اس تمام صورتحال میں شیخ احمد سرہندی کی حسّاس طبیعت بہت زیادہ متاثر ہوئی اور انہوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔

اس سلسلے میں شیخ احمد سرہندی نے بعض امراء کو خطوط بھی لکھے جن میں اسلام کی زبوں حالی بیان کر کے ان کی توجہ اسلامی نظام کے احیاء کی طرف دلائی۔ اگرچہ فوری طور پر تو اسلامی شریعت کی خلاف ورزی کی بیخ کنی نہ ہو سکی کیونکہ جہانگیر نے تزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ میں نے زکوٰۃ کی وصولی کو موقوف کر دیا تھا[55] لیکن اس کے خلاف بات کرنے اور جدوجہد کی بدولت حالات میں بتدریج بہتری پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ اور اسلامی شعائر کے متعلق بادشاہ کے رویہ میں تبدیلی پیدا ہوئی اور یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ اقبال نامہ جہانگیری کا مصنف مرزا محمد معتمد خان لکھتا ہے کہ: "بادشاہ جہانگیر کانگڑہ گیا تو حکم صادر کیا کہ قاضی، میر عدل اور ان کے علاوہ اور جو علمائے اسلام ہم رکاب ہوں، شعائر اسلام اور شعائر دین متین محمدی اس قلعہ میں عمل میں لائیں۔ توفیق الٰہی سے اذان، خطبہ خوانی وغیرہ جو اس قلعہ میں اب تک وقوع پذیر نہیں ہوئی تھیں ، یہ سب باتیں اسی وقت عمل میں لائی گئیں۔ جہانگیر نے اس شاندار اور مخصوص مہربانی پر خدا کے حضور سجدہ شکر ادا کیا اور قلعہ میں ایک شاندار مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا"۔[56]

شیخ احمد سرہندی نے قید و بند کی جو سختیاں برداشت کی تھیں وہ اسی مقصد کیلئے تھیں۔ جہانگیر کے انفرادی کردار میں تو زیادہ تبدیلی نہیں آئی تھی لیکن اس کا طرز عمل ضرور بدلا تھا۔ اور اس بہترین کردار ادا کرنے کا سہرا شیخ احمد سرہندی کے سر ہی ہے جنہوں نے اس کیلئے مشکلات کا سامنا کیا اور صبر واستقامت کے ساتھ اپنے مقصد کی تکمیل کی خاطر ڈٹے رہے۔ اسی لیے مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ: "شہنشاہ اکبر کے عہد کے اختتام اور عہد جہانگیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علماء و مشائخ سے بالکل خالی ہو گیا تھا؟ کیسے کیسے اکابر موجود تھے! لیکن مفاسدِ وقت کی اصلاح و تجدید کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا۔ صرف شیخ احمد سرہندی کا وجود گرامی ہی تن تنہا اس کاروبار کا کفیل ہوا"۔[57]

شیخ احمد سرہندی نے دین کی تجدید کیلئے امراء سے تعلقات پیدا کیے اور ان کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کی۔ ان کو پُر اثر مکاتیب لکھ کر ان کے کردار میں تبدیلی پیدا کر کے ان سے دین متین کی نصرت و اشاعت کا کام لیا۔ انہوں نے حکمرانوں کے سامنے سچ اور حق بات کہنے سے کبھی تامل نہیں کیا۔

اسلامی اقدار کا احیاء:

جہانگیر کی طرف سے قید کیے جانے کے دوران شیخ احمد سرہندی نے اپنے خلفاء کو صبر کی تلقین کی اور رہائی سے پہلے جہانگیر سے چند باتوں کی طرف توجہ دینے کیلئے کہا جن کا تعلق شریعت کی بالادستی اور دین کے احیاء سے تھا۔ آپ نے جہانگیر سے مطالبہ کیا کہ دربار میں رائج سجدہ

کو بند کیا جائے، مسلمانوں کو ذبیحہ گاؤ سے نہ روکا جائے، غیر مسلموں سے ازروئے شریعت جزیہ لیا جائے اور اس کے علاوہ شہید کی گئی مساجد کو از سرِ نو تعمیر کیا جائے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی شرائط تھیں جن کو بادشاہ نے تسلیم کر لیا جس کے بعد شیخ احمد سرہندی قید خانہ سے باہر آئے۔[58] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی کے پیشِ نظر ہر وقت اسلامی اقدار کا احیاء تھا۔

شیخ احمد سرہندی کے خلفاء کا سیاسی کردار:

این میری شمل نے کہا ہے کہ شیخ احمد سرہندی کے خلفاء 1740ء تک سیاسی امور میں حصہ لیتے رہے ہیں۔[59] یہ درست ہے کہ آپ کے خلفاء اور جانشین مغل بادشاہوں سے رابطے میں رہے ہیں لیکن ان کا مقصد بھی ترویجِ شریعت کے علاوہ کچھ نہ تھا کیونکہ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شاہجہاں کا بیٹا داراشکوہ بھی اکبر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آزاد مشرب ہو گیا تھا[60] اور مآثر عالمگیر کے مطابق داراشکوہ کا وجود کئی خرابیوں کا باعث تھا[61] جس کی شہادت فرانسیسی سیاح و مؤرخ ڈاکٹر برنیر نے بھی دی ہے کہ اگرچہ داراشکوہ مذہب اسلام کے متبع اور پیرو ہونے کا اعلانیہ اقرار کرتا تھا لیکن بس وہ پیدائشی مسلمان ہی تھا کیونکہ وہ اپنے اوقاتِ تخلیہ میں ہندوؤں کے ساتھ ہندو اور عیسائیوں کے ساتھ عیسائی تھا چنانچہ پنڈتوں اور ہندو سادھوؤں کو ہمیشہ اپنی صحبت میں رکھتا تھا۔ اورنگزیب نے اس کے قتل کی وجہ یہی قرار دی تھی کہ وہ کافر اور لامذہب ہو گیا ہے۔[62] اس لیے اس خطہ میں دین اسلام کی بقاء کو ایک مرتبہ پھر وہی خطرات لاحق تھے جو اکبر کے دین الٰہی کی صورت میں سامنے آئے تھے۔ بقول اقبال:

تخم الحادے کہ اکبر پرورید ‌ ‌ ‌ ‌ باز اندر فطرتِ دارا دمید[63]

ترجمہ: ”اکبر نے الحاد کے جس بیج کو بویا اور اس کی نشوونما کی، اس نے دوبارہ داراشکوہ کی فطرت سے سر نکالا۔“[64]

جس کی وجہ سے اسلام کی بقاء کیلئے اربابِ اقتدار کی اصلاح کی خاطر جدوجہد کرنا ضروری تھا اور خواجہ محمد معصوم اپنے اسلاف کی طرح حکمرانوں کی اصلاح اور ترویج شریعت کی خاطر اربابِ اقتدار سے تعلق رکھنے کو معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے نقشبندی حضرات اور دیگر راسخ العقیدہ علماء نے اورنگزیب کی حمایت کی پالیسی اختیار کی تھی کیونکہ اورنگزیب اور داراشکوہ کے درمیان تخت نشینی کی جنگ دراصل حق اور کفر کا معرکہ تھا، اصل جنگ تو راسخ العقیدہ اور آزاد مشرب صوفیاء کے افکار کا ٹکراؤ تھا، وحدت ادیان کی تحریکوں، بھگتی گیانیوں اور پابند شرع نقشبندیوں کے تصادم کا نام جنگ تخت نشینی تھا۔[65] اکبر اور جہانگیر کے دور میں شیخ احمد سرہندی کی تحریروں سے اسلام کی زبوں حالی اور حفاظت دین کیلئے جس کرب اور بے چینی کی کیفیت پائی جاتی ہے اسی طرح خواجہ محمد معصوم بھی داراشکوہ کے دور میں خلاف اسلام تحریکوں سے پوری طرح آگاہ تھے اور ان کے خلاف مزاحمت کر رہے تھے۔ مولانا حسن علی کے نام ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:

اے بھائی، ان ایام میں معاملات دین میں سستی آگئی ہے، سنت ترک ہو گئی ہے اور بدعت کو پھیلا دیا گیا ہے۔ اس لیے اس تاریک وقت میں دینی علوم کا حاصل کرنا اور نشر کرنا مہم کا درجہ رکھتا ہے اور احیائے سنت محمدیہ ﷺ سب سے بڑا مقصد ہے۔ (اس لیے تم) شرعی علوم کی تحصیل، اشاعت اور احیائے سنت مصطفویہ ﷺ کیلئے کمرِ ہمت باندھ لو۔[66]

مندرجہ بالا مکتوب سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی کی اولاد نے ان کے شروع کیے ہوئے اصلاحی و تجدیدی کام کو جاری رکھا اور شریعت کی ترویج و ترقی کیلئے کوششیں کرتے رہے۔

اورنگزیب کی حمایت:

خواجہ محمد معصوم، اورنگزیب کی حمایت صرف اس لیے کرنا چاہتے تھے تاکہ اسلام کی سربلندی قائم رہ سکے۔ مکتوبات کی جلد سوم میں مکتوب نمبر چھ، جو اورنگزیب کے نام ہے اس میں اورنگزیب کی کامیابی کیلیے دعا کی گئی ہے اور شریعت کی ترویج کیلئے کوششوں پر اورنگزیب کی تعریف کی گئی ہے[67] دوسری بات یہ کہ تخت نشینی کی جنگ میں صرف نقشبندی حضرات نے ہی اورنگزیب کی حمایت نہیں کہ بلکہ ہندوستان اور حرمین شریفین کے علماء نے بھی اس کی حمایت کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے باہر بھی دیندار طبقے اس کے طرف دار تھے[68] اور شیخ احمد سرہندی نے اپنے خلفاء کو ہندوستان اور مختلف ممالک میں دین اسلام کی دعوت وارشاد اور سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت کیلئے بھیجا تھا۔[69]

لہذا یہ کہنا کہ صرف شیخ احمد سرہندی کے خلفاء سیاسی امور میں کردار ادا کرتے رہے، تصویر کا درست رخ نہیں ہے کیونکہ نقشبندی حضرات کے ساتھ ساتھ تقریباً تمام راسخ العقیدہ علماء نے اس کی حمایت کی تھی جس کا مقصد صرف اور صرف اسلامی اقدار اور شریعت کی ترویج اور اصلاح احوال تھا۔ اور انہی کوششوں کی بدولت اورنگزیب عالمگیر کا دور حکومت برصغیر میں بالخصوص مذہبی لحاظ سے اسلام کا سنہری دور شمار کیا جاتا ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے J. F Richard لکھتے ہیں کہ:

The goals of the new Islamic ideologies were simply defined: the Mughal Empire must become a Muslim state governed by the precepts of the Sharia for the benefit of the Indian Muslim community.[70]

ترجمہ: نئے اسلامی نظریات کے مقاصد واضح طور مقرر کر لیے گئے تھے کہ مغل سلطنت کو ایک مسلمان ریاست کے طور پر شرعی احکام کے مطابق مسلمان معاشرے کے بہتری اور فلاح کے تحت چلایا جائے گا۔

این میری شمل داراشکوہ اور اورنگزیب کے درمیان مذہبی تفاوت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

The dual nature of Indian Islam is clearly manifested in Shah Jahan's sons, Dara Shikoh, the maystic, and Aurangzeb, who would be regarded as a fundamentalist today. Aurangzeb wanted to make India a truly Islamic nation.[71]

ترجمہ: شاہجہاں کے بیٹوں، داراشکوہ، جو ایک صوفی تھا، اور اورنگزیب کی صورت میں ہندوستان میں اسلام کی دو شکلیں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ اورنگزیب ہندوستان کو ایک حقیقی اسلامی قوم (ملک) بنانا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر یٹین نہایت واضح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ اورنگزیب کی ساری "سٹیٹ پالیسی" میں درحقیقت شیخ احمد سرہندی کی کوششوں کا ہی عمل دخل تھا۔

It will not be an exaggeration to say that Aurangzeb's state policy was promoted by the voice of Sirhindi from behind the scene.[72]

ان علماء کی صحبت اور تربیت کا ہی اثر تھا کہ اورنگزیب پابندی شرع کا اس قدر خیال کرتا تھا کہ اس نے قتل کے قصاص میں اپنے بھائی مراد کو قتل کرا دیا۔[73] اگرچہ ڈاکٹر برنیر نے، جسے اہل مغرب اورنگزیب کے ابتدائی دور حکومت کے حوالے سے واقعات نقل کرنے میں اہم ترین ذریعہ تصور کرتے ہیں[74]، اسے اورنگزیب کی بے رحمی قرار دیا ہے کہ اس نے محض مراد سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی خاطر کافی عرصہ پہلے قتل ہونے والے ایک شخص کے ورثاء کو ابھارا کہ وہ قصاص کا مطالبہ کریں اور مراد کو اس بہانہ سے قتل کر دیا تاکہ امراء میں بدظنی پیدا نہ ہو۔[75]

اورنگزیب کی طبیعت میں شرع کی پیروی کا اس قدر جذبہ تھا کہ اس نے متھرا میں مندر کو منہدم کرا کر اس کی جگہ ایک مسجد تعمیر کرائی، متھرا کا نام تبدیل کر کے اسلام آباد رکھا، ہندوؤں کی باطل کتب کی تدریس کی ممانعت کر دی، دربار میں نغمہ ونشاط پر پابندی عائد کر دی اور شرعی لباس پہننے کا حکم دیا۔[76] جس کی گواہی مستشرقین بھی دیتے ہیں۔ Stanley Lane Pool لکھتا ہے:

One of Aurangzeb's earliest acts after his accession was to prohibit the Nauroz and revert to the clumsy lunar reckoning of orthodox Muhammadanism.[77]

ترجمہ: اورنگزیب نے تخت نشینی کے بعد ابتدائی کاموں میں سے ایک کام یہ کیا کہ جشنِ نوروز کو ممنوع قرار دے دیا مذہب اسلام کے مطابق اس کو دوبارہ قمری مہینوں کے اعتبار سے شمار کیا۔

اورنگزیب نے نہ صرف قرآن پاک حفظ کیا بلکہ اپنے ہاتھ سے خطاطی کر کے اس کی دو کاپیاں مکہ اور مدینہ بھجوائیں جس سے اس کی اسلام سے محبت ظاہر ہوتی ہے۔[78] بہرحال بلاشبہ اورنگزیب کا دور حکومت برصغیر میں مسلمانوں کیلئے سیاسی اور مذہبی حوالے سے عروج کا دور تھا اور اسی وجہ سے بعض مؤرخین نے اورنگزیب کے دور کو "قومی بیداری" کا نام دیا ہے۔[79] اور مناظر احسن گیلانی کے مطابق یہ شیخ احمد سرہندی کی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا کہ اکبر، جو فقہاء کو احمق سمجھتا تھا، اس کے پوتے نے انہی فقہاء کو اتنی عزت اور مرتبہ دیا کہ قرآن وحدیث تو بڑی چیزیں ہیں اس نے ان فقہاء کی مدد سے فقہ کی عظیم الشان کتاب فتاویٰ عالمگیری مرتب کرائی۔[80]

اور ایک اہم بات یہ کہ نقشبندی حضرات نے اورنگزیب کی مصاحبت اس کے بادشاہ بننے سے بھی قبل اختیار کی تھی[81] اور نگزیب نے تخت نشینی کی جنگ میں کامیابی کیلئے خواجہ محمد معصوم سے دعا کیلئے کہا تو آپ نے اس کے جواب میں ایک طویل مکتوب اس کے نام ارسال کیا جس میں جہاد کے فضائل تفصیل سے بیان کرنے کے بعد اس کی اس مہم کو جہاد سے تعبیر کرتے ہوئے لکھا:

"اللہ کی راہ میں ایک ساعت کا جہاد مکہ میں حجرِ اسود کے قریب شب قدر کے قیام سے افضل ہے۔"[82]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تخت نشینی سے پہلے بھی اورنگزیب کے نقشبندیہ سے تعلقات تھے اور خواجہ محمد معصوم، دارا شکوہ کے مقابلے میں اورنگزیب کی کوششوں کو درست تصور کرتے تھے۔ اور شیخ احمد سرہندی کے اخلاف بھی اصلاحِ احوال کے متمنی تھے اور وہ چاہتے تھے کہ ملک میں اسلامی طور طریقوں کے مطابق حکمرانی کی جائے تاکہ حقیقی معنوں میں ایک اسلامی فلاحی ریاست تشکیل دی جاسکے۔

اسلام حکومت وسیاست کی قدر ومنزلت کا منکر نہیں ہے اور نہ ہی افرادِ مملکت کی حریتِ فکر، حریتِ معیشت اور مساواتِ عمومی کو نظر انداز کرتا ہے، یہ دونوں چیزیں اپنی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہیں لیکن اسلامی نظریہ حیات کی رو سے انسانی زندگی کی آخری غایت نہیں ہیں بلکہ انسانی زندگی کی غایت الغایات اس کو ایک اعتقادی وحدت میں تبدیل کرنے کا ایک بلند تر اور مقدس نصب العین ہے تاکہ دنیا کا ہر انسان سعادت ابدی اور رضائے الٰہی کے حصول میں کامیاب ہو سکے۔[83] اور شیخ احمد سرہندی کا مقصد بھی ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا تھا جو اسی مقدس نصب العین کو مد نظر رکھتے ہوئے حقیقی فلاح وکامیابی حاصل کر سکے۔

ہندو مسلم اتحاد اور شیخ احمد سرہندی:

شیخ احمد سرہندی کی احیائے دین کیلئے کوششیں جہانگیر اور شاہجہاں کے بعد اورنگزیب عالمگیر (م1707ء) کے دور میں حقیقی انداز میں بارآور ثابت ہوئیں اور اس نے اسلامی شریعت کے نفاذ کے حوالے سے اہم اقدامات کیے۔ اورنگزیب کے ساتھ نقشبندیہ کے سب سے بہتر

تعلقات تھے اور شیخ احمد سرہندی جن خصوصیات کے حامل بادشاہ کو تخت پر دیکھنا چاہتے تھے اورنگزیب میں موجود تھیں، گویا شیخ احمد سرہندی اوران کے ساتھیوں کی تحریک احیائے دین داراشکوہ (م1070ھ) کے مقابلے میں اورنگزیب کی کامیابی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔[84]

شیخ احمد سرہندی ہندوستان میں مسلمانوں اور دین اسلام کی شناخت کے احیاء وبقاء کے خواہش مند تھے تاکہ برصغیر پاک وہند میں اسلام اپنی اصل شکل میں قائم رہے اور دوسرے مذاہب کی طرح ہندومت میں ضم نہ ہو جائے کیونکہ اکبر نے جس طرح ہندوؤں کو مراعات اور اختیارات سے نوازا تھا، اس بات کا پورا خطرہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی شناخت ہی ختم ہو جاتی اور ہندوستان عملی طور پر ایک ہندو ریاست بن جاتی۔[85] اور ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مطابق سیاست و حکومت میں شیخ احمد سرہندی نے جو کارنامہ انجام دیا وہ اکبر کے ایک قومی نظریے کے خلاف دو قومی نظریے کا اعلان تھا۔[86] اور شیخ احمد سرہندی کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ ہندوستان میں حقیقی معنوں میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔[87] اور یہی سوچ تقریباً دو صدیوں بعد دو قومی نظریہ کی بنیاد بنی جس کو بیسویں صدی عیسوی میں تحریک پاکستان کے کارکنوں نے واضح کیا اوراس کی بنیاد پر ایک علیحدہ مملکت کے قیام کیلئے کامیاب کوششیں کی گئیں۔

شیخ احمد سرہندی کی کوششوں کا جائزہ لیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ان کا ایک مقصد مسلمانوں کے علیحدہ وجود کی شناخت اور مسلم قومی تشخص کو واضح کرنا بھی تھا۔ اسی نظریے کو ڈاکٹر محمد یٰسین نے بیان کرتے ہوئے کہا کہ شیخ احمد سرہندی ہندوستان میں مذہبی وسیاسی اصلاحات کی تحریک کے بانی ہیں اور مسلم معاشرے میں تبدیلی پیدا کرنے کے حوالے سے ان کے کردار کو سراہا جانا چاہیے۔ شیخ احمد سرہندی کی کوششوں کی بدولت شیعہ و سنی اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فرق واضح ہو گئے۔[88] اور اس بات کو دوسرے مستشرقین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سترھویں صدی میں ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان تیزی سے پیدا ہونے والے فرق میں شیخ احمد سرہندی کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ J. F. Richards لکھتے ہیں:

His concern for Islamic revivalism and his anti-Hindu sentiments undoubtedly contributed to the sharpening division between the Islamic community and the Hindu community in the seventeenth century.[89]

ترجمہ: سترہویں صدی میں (برصغیر میں) اسلامی احیاء اور مسلمان اور ہندو معاشرے کے درمیان تیزی سے بڑھتی ہوئی تقسیم میں شیخ احمد سرہندی کی کوششوں اور ان کے ہندو مخالف خیالات وجذبات نے بلاشبہ اہم کردار ادا کیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی معاشرتی طور پر بالعموم اور مذہبی طور پر بالخصوص ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف تھے اور انہوں نے اس اتحاد کے انتہائی نتائج کو بہت جلد بھانپ لیا تھا اور اس کے خلاف باقاعدہ جدوجہد شروع کر دی تھی۔ اور وقت نے ثابت کر دیا کہ وہ اس حوالے سے اپنے خیالات و نظریات میں مکمل طور پر درست تھے اور اس کے خلاف کوششیں کرنے میں حق بجانب تھے۔

شیخ احمد سرہندی کا مقصد اسلامی اقدار اور شریعت پر عمل کے حوالے سے مسلمانوں کو ایک اسوہ حسنہ کی پیروی کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے متحد و یکجا کرنا تھا۔ ان کی اسی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر حفیظ ملک لکھتے ہیں کہ شیخ احمد نے آنے والی نسل کو بے حد متأثر کیا اور دین مصطفیٰ ﷺ کی طرف دعوت دی اور مذہبی وسیاسی حیثیت سے ان کی یہ دعوت دوررس نتائج کی حامل تھی۔ شیخ احمد کی تعلیمات نے معاصر مسلم فکر کو بنیادی طور پر متأثر کیا اور برصغیر میں مسلم حکومت کو لادینی بنانے کی مخالفت کی۔[90]

دو قومی نظریہ اور شیخ احمد سرہندی:

تحریک احیائے دین میں شیخ احمد سرہندی کے کردار کے بارے میں این میری شمل کے نقطہ نظر کے تناظر میں غور کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی برصغیر میں دو قومی نظریہ کے اصل بانی ہیں کیونکہ ان کے نظریے کے بغور مطالعے کے بعد یہی بات سامنے آتی ہے کہ شیخ احمد سرہندی سیاسی، معاشرتی اور مذہبی طور پر مسلمانوں اور برصغیر میں بسنے والی دوسری قوموں بالخصوص ہندوؤں کے امتزاج کے مخالف تھے۔ اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں کہ: "شیخ احمد سرہندی نے سب سے پہلے برصغیر میں دو قومی نظریے کو اجاگر کیا اور اس شعور کو بیدار کیا کہ قومیت کی اساس مذہب پر ہے وطن پر نہیں۔ یہ دو قومی نظریے کا پہلا نقطہ ہے جو شیخ احمد سرہندی نے بیان کیا۔ شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید، مولانا محمد علی جوہر اور علامہ اقبال نے برسوں اس پودے کی آبیاری کی، یہاں تک کہ کئی صدیوں بعد 14 اگست 1947ء کو مسلمانوں نے قائد اعظم کی رہنمائی میں اپنی منزل کو پالیا"۔[91]

ڈاکٹر مبارک علی کے مطابق عہدِ مغلیہ میں مذہبی احیاء کی تحریکوں نے اس بات کی سب سے زیادہ مخالفت کی کہ مسلمانوں میں ہندو رسومات اور روایات کیوں رائج ہیں؟ اور ان کی موجودگی میں ان کا دین خطرے میں ہے لہذا اسلام کو خالص اور پاک کرنے کیلئے ضروری ہے کہ مسلمانوں میں ہندوؤانہ رسومات کا خاتمہ ہو اور مسلمانوں نے جن روایات کو ہندوؤں کے زیر اثر ترک کر دیا ہے ان کا احیاء ہو۔ ان تحریکوں کے پیچھے یہ نظریہ کار فرما تھا کہ مذہبی شناخت کو برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ایک حد قائم ہو اور اکبر کے عہد میں شیخ احمد سرہندی کی تحریک اسی جذبہ کی پیداوار تھی۔[92]

تاریخ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تیموریوں اور مغلوں کے دورِ حکومت میں برصغیر میں تمام غیر مسلموں کو ان کے بنیادی حقوق حاصل تھے اور وہ حکومت میں مرکزی عہدوں اور مناصب پر تعینات بھی رہے جس سے مسلمانوں کی معاشرتی و مذہبی رواداری کا ثبوت ملتا ہے لیکن اکبر اور بعد میں جہانگیر کے دور حکومت میں ہندوؤں کے اقتدار و اختیارات میں بے تحاشا اضافہ ہو گیا تھا جو راسخ الاعتقاد مسلمانوں کیلئے تشویش کا باعث تھا۔ ان حالات میں شیخ احمد سرہندی کی طرف سے ہندوؤں، ان کے اعتقادات اور ان کے رسوم ورواج کی مخالفت کرنا ایک فطری بات تھی۔

شیخ احمد سرہندی سربراہِ حکومت کو ریاست میں مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی اقدار اور اسلامی نظامِ حیات کے نفاذ کیلئے سب سے زیادہ اہم اور ذمہ دار تصور کرتے تھے اور اس کی اصلاح کو ریاستی امور کی اسلامی طریقے کے مطابق انجام دہی کیلئے موقوف علیہ خیال کرتے تھے۔ اس بات کو بیان کرتے ہوئے محمد حنیف رامے لکھتے ہیں کہ:

اپنی پوری تاریخ میں دو باتیں نقشبندی سلسلے کی پہچان بنی رہی ہیں۔ ایک تو شریعت اور رسول خدا ﷺ کی سنت کی پوری پوری پیروی اور دوسری، حکمران طبقے کے طرزِ فکر اور طرزِ عمل کو متاثر کرنے کی سنجیدہ اور انتھک کوشش یہاں تک کہ مذہب اور ریاست قریب سے قریب تر آجائیں۔ ان کی اس کوشش کے پیچھے جو عقیدہ کام کر رہا تھا، اقبال نے اسے "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی" کے الفاظ دیے تھے۔ نقشبندیہ کا یہ عقیدہ آج بھی پورے عالمِ اسلام میں جمہوریت کے مسلمہ اور بنیادی طور پر سیکولر تصور کی عملدرآمد کے راستے میں سب سے اہم رکاوٹ بنا ہوا ہے۔[93]

اس تناظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی بیک وقت دو محاذوں پر بر سرِ پیکار تھے۔ایک طرف تو وہ اسلامی اقدار و عقائد و نظریات میں کسی قسم کے غیر اسلامی عقائد و نظریات کی آمیزش کے خلاف جدوجہد کر رہے تھے اور دوسری طرف وہ مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کیلئے ذمہ دار افراد کی اصلاح و تربیت کیلئے کوششیں کر رہے تھے۔اور ان کی یہ کوششیں بالآخر اس وقت رنگ لے آئیں جب ان کے نظریات کے قائل سنّی امراء اور علماء کے تعاون سے اورنگزیب عالمگیر شہنشاہِ ہند بن گیا اور یوں نقشبندی بزرگوں سے روحانی تائید حاصل کرنے کی تیموری روایات ایک مرتبہ پھر تازہ و تابندہ ہو گئیں۔

شیخ احمد سرہندی کی کوششوں کے بنیادی مقاصد کو دو قسموں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ایک یہ کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین مذہبی و معاشرتی امتیازات کو اجاگر کرنا اور ان کی بنیاد پر نظریاتی سرحدیں قائم کرنا اور دوسرا یہ کہ ریاست کے سربراہ کی اصلاح و تربیت کے ذریعے ملک میں اسلامی نظامِ حیات کے نفاذ کو یقینی بنانے کیلئے کوشیں کرنا۔اور مشرقی مذہبی طبقے کے مطابق یہ خالص مذہبی مقاصد ہیں لیکن سیکولر طبقے کے مطابق یہ مذہبی سے زیادہ سیاسی مقاصد ہیں اور اس طرزِ فکر کے مطابق شیخ احمد سرہندی کی تجدیدی کوششوں کو سیاسی مقاصد کی حامل قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ شیخ احمد سرہندی نے عملی سیاست میں حصہ لیے بغیر سیاست کو مذہب کے تابع بنانے کیلئے کوششیں کیں۔

شیخ احمد سرہندی کے مذکورہ بالا تمام اقدامات اور کوششیں خالصاً اصلاحی نوعیت کی تھیں جن کا سیاست یا ملک کے انتظامی امور سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ شیخ احمد سرہندی نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ مسلمانوں کو انتظامی عہدوں پر تعینات کیا جائے یا ان عہدوں پر تعینات ہندوؤں کو ان عہدوں سے ہٹا دیا جائے۔اس کے علاوہ شیخ احمد سرہندی نے اس دور میں انصاف ،عدل ،روزگار کی عدم فراہمی اور ریاست کے اندر افراتفری کے وقوع کا کبھی ذکر نہیں کیا جس سے یہ سمجھا جاسکے کہ وہ سیاسی پالیسیوں سے ناخوش تھے اور ان میں بہتری لانے کے خواہش مند تھے جس کی بناء پر ان سے کردار کو سیاست سے جوڑا جاسکے۔اس سب کے باوجود ان کی تحریک کو سیاسی مقاصد کی حامل قرار دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا بلکہ حالات وواقعات کے تجزیے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی کی تحریک احیائے دین ایک مذہبی و اصلاحی تحریک تھی جس کا نصب العین اس خطے میں اسلامی عقائد و اقدار و روایات کا تحفظ تھا۔

مجدد الف ثانی نے مغلیہ عہد میں عقائد و عبادات اور سماجی معاملات میں اصلاح کی اور اسی سلسلے میں حکمرانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا کیونکہ امراء اور حکمران طبقہ ہی کی تقلید کی جاتی ہے اور اکثر اوقات انھی لوگوں کی وجہ سے سماجی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔اس لیے آپ نے حکمرانوں کی تربیت اور اصلاح کی بھرپور کوشش کی۔ آپ کی اس مساعی کو این میری شمل نے سیاسی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش سے تعبیر کیا جو کہ ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔

حوالہ جات

[1] شیخ احمد سرہندی جمعہ کی شب 14 شوال 971ھ بمطابق 1563ء کو سرہند میں پیدا ہوئے اوراحمد نام رکھا گیا۔ آپ کا نسب 27 واسطوں سے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ(م24ھ /644ء)تک پہنچتا ہے اسی وجہ سے آپ کی نسبت الفاروقی بھی ہے۔ آپ کے والد کا نام عبدالاحد ہے۔ آپ نے 29 صفر 1034ھ /1624ء کو 63 سال کی عمر میں وفات پائی۔

[2] الحاد عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی بے دینی، کفر اور مذہب سے بیزاری ہے۔ قاسمی، وحید الزمان، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات کراچی، 2001ء، ص:1457

[3]Schimal, Annemarie, And Mohammad Is His Messenger, Sang-e-Meel Pub lications Lahore, 2008. p217

[4] این میری شمل، محمد رسول اللہ (مترجم نعیم اللہ ملک)، ابوذر پبلی کیشنز لاہور، 2014ء، ص:260

[5] آزاد، ابوالکلام، تذکرہ، ص:264

[6]Schimal, Annemarie, And Mohammad Is His Messenger, Sang-e-Meel Lahore, 2008, p: 216

[7]Schimal, Annemarie, And Mohammad Is His Messenger, P. 217

[8]Schimal, Annemarie, And Mohammad Is His Messenger, P. 218

[9]Schimal, Annemarie, And Mohammad Is His Messenger, P. 217

[10]Schimal, Annemarie, Mystical Dimensions of Islam, University of Carolina Press America, 1975. P367

[11]Schimal, Annemarie, Mystical Dimensions of Islam, P.367

[12]Schimal, Annemarie, Mystical Dimensions of Islam, P.368

[13]Qureshi, Ishtiaq Hussain, History of Freedom Movement, Karachi, Vol:1. p.20

[14]شاہجہاں پوری، اختر، عبدالحکیم، مجددی عقائد و نظریات، حامد اینڈ کمپنی لاہور، 1410ھ /1990ء، ص:33

[15] فوق، محمد الدین، سوانحات عمر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، عصمت اقبال ڈار ٹرسٹ راولپنڈی، 2013ء، ص:29

[16]فوق، محمد الدین، سوانحات عمر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، ملخص از ص:80-13

[17] کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، ص:252

[18] توکلی، نور بخش، علامہ، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ص:204

[19]Friedmann, Yohannan, Shaikh Ahmad Sirhindi An Outline of His Thought, Mcgill University Montreal, 1996. P.28

[20]Friedmann Yohanan, Shykh Ahmad Sirhindi, an outline of his thought, P. 186

[21] عبدالحق، شیخ، اخبار الاخیار (فارسی) ص:324

[22] عبدالحق، شیخ، اخبار الاخیار (مترجم)، ص:726

[23]Yaseen. Muhammd. Dr, A Social History of Islamic India, P.148

[24]غلام سرور، مفتی، خزینۃ الاصفیاء، ج:1، ص:247

[25] نظامی، خلیق احمد، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص:216

[26] عبدالحق، شیخ، اخبار الاخیار (فارسی)، ص:325

[27] مہدی حسن، مفتی، حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ دہلوی کی نظر میں، مقالہ مشمولہ الفرقان، مجدد الف ثانی نمبر، لکھنؤ، 1357ھ بحوالہ نعمانی، محمد منظور، تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی، مکتبہ سراجیہ ڈیرہ اسماعیل خان، 1977ء، ص:304

[28] مہدی حسن، مفتی، حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ دہلوی کی نظر میں، ص:306

[29]محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی، ص:40

[30] مجددی، محمد اقبال، دفاع حضرت مجدد الف ثانی، تنظیم الاسلام پبلی کیشنز گوجرانوالہ، 2012ء، ص:23

[31]آپ 7 شوال 1272ھ بمطابق 14 جون 1856ء، بروز شنبہ ظہر کے وقت بھارت کے شہر بریلی کے ایک محلہ جسول میں پیدا ہوئے۔ آپ کا ترجمہ قرآن "کنز الایمان" اور "فتاویٰ رضویہ" کا مجموعہ خاص طور پر مشہور ہے۔ آپ نے 25 صفر 1340ھ / نومبر 1921ء کو جمعہ کے روز عین اذانِ جمعہ کے وقت دو بج کر اٹھائیس منٹ پر وفات پائی اور بریلی کے محلہ سوداگراں میں دارالعلوم منظر الاسلام کے شمال کی جانب مدفون ہوئے۔ صابر، محمد یوسف، چودھویں صدی ہجری کی ایک عظیم شخصیت مرکزی جماعت غوثیہ فیصل آباد، 1983ء، ملخص از ص:112-8

[32] بستوی، نسیم، علامہ، احوال و آثار اعلیٰ حضرت مجدد اسلام، رضا اکیڈمی لاہور، 1960ء، ص:73

[33] بریلوی، احمد رضا خان، امام، مکتوبات (مرتب مولانا محمود احمد قادری)، مکتبہ نبویہ لاہور، 2001ء، ص:90

[34] محمد اقبال، علامہ، مکتوبات (مرتب سید نذیر نیازی)، اقبال اکیڈمی کراچی، 1957ء، ص:161

[35] عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ (مجموعہ مکاتیب اقبال)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 2005ء، ص:38

[36] قدوسی، اعجاز الحق، اقبال کے محبوب صوفیاء، اقبال اکادمی پاکستان، 1976ء، ص:453

[37] محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ محمد اقبال، مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ، 1980ء، ص:38

[38] قاسم محمود، سید، اسلام کی احیائی تحریکیں اور عالم اسلام، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، 2012ء، ص:64

[39] سرہندی، شیخ احمد، مکتوبات، مکتوب نمبر 51، ج:1، ص:22

[40]. Schimal, Annemarie, Mystical Dimensions of Islam, P.368

[41] آپ کا نام عبید اللہ اور والد کا نام محمود بن شہاب الدین نقشبند ہے جو خواجہ محمد باقی بغدادی کی اولاد میں سے ہیں۔ (امین الدین احمد، سید، صوفیاء نقشبند، مقبول اکیڈمی لاہور، سن ندارد، ص:150) آپ رمضان 806ھ / مارچ 1404ء میں تاشقند کے ایک گاؤں باغستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کی وفات 29 ربیع الاول 895ھ / 19 فروری 1490ء میں ہوئی اور آپ کو احاطہ ملایان کے باہر خواجہ کفشیر، سمرقند میں دفن کیا گیا۔ نوشاہی، عارف، خواجہ احرار، پورب اکادمی اسلام آباد، 2010ء، ملخص از ص:160-81

[42] امین الدین احمد، سید، صوفیاء نقشبند، مقبول اکیڈمی لاہور، سن ندارد، ص:151

[43] نوشاہی، عارف، خواجہ احرار، ص:110

[44] نظامی، خلیق احمد، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ادارہ اسلامیات لاہور، 1978ء، ص:20

[45] سیارہ ڈائجسٹ، اولیائے کرام نمبر، اپریل 1989ء، ص:397

[46] سرہندی، شیخ احمد، مکتوبات، مکتوب 195، ج:1، ص:427

[47] سرہندی، شیخ احمد، مکتوبات، مکتوب نمبر 65، ج:1 ص:249

[48] جہانگیر، تزک جہانگیری (مترجم احمد علی رامپوری)، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 2004ء، ص:343

[49] لکھنوی، عبد الحیٔ، نزہتہ الخواطر، دار ابن حزم، 1999ء، ج:5، ص:479

[50] پیلے رُٹ، جہانگیر کا ہندوستان (مترجم ڈاکٹر مبارک علی)، فکشن ہاؤس لاہور، 2005ء، ص:13

[51] سرہندی، شیخ احمد، مکتوبات، مکتوب نمبر 43، ج:3، ص:433

[52] عنایت اللہ، شیخ و نذیر نیازی، سید، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، 2010ء، ج:2، ص:127

[53] T. W. Arnold, The Preaching of Islam, Constable and Company Ltd. London. 1913. (2nd Edition) p306

[54] بخاری، خورشید حسن، سید، پروفیسر، ریاض التاریخ، ص:481

[55] جہانگیر، تزک جہانگیری، ص:75

[56] معتمد خان، مرزا، اقبال نامہ جہانگیری (مترجم محمد زکریا مائل)، دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عام حیدر آباد دکن، 1342ھ / 1928ء، ص:129

[57] آزاد، ابو الکلام، تذکرہ، مکتبہ روایت لاہور، 1998ء، ص:264

[58] عبد المجید سندھی، ڈاکٹر، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 1994ء، ص:481

[59]. Schimal, Annemarie, Mystical Dimensions of Islam, P.368

[60] محمد عبید اللہ، حسنات الحرمین، ص:123

[61] مستعد خان، محمد ساقی، مآثر عالمگیری (مترجم محمد فدا علی طالب)، نفیس اکیڈمی کراچی، 1962ء، ص:44

[62] برنیر، ڈاکٹر، شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اورنگزیب (مترجم خلیفہ محمد حسین)، نفیس اکیڈمی کراچی، 1960ء، ص:40

[63] محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال فارسی (رموز بے خودی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی، 1992ء، ج:1، ص:223

[64] محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال فارسی (مترجم میاں عبد الرشید)، شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی، 1992ء، ج:1، ص:222

[65] محمد عبید اللہ، حسنات الحرمین، ص:122

[66] محمد معصوم، خواجہ، مکتوبات (مترجم سید زوار حسین شاہ)، ادارہ مجددیہ کراچی، 1402ھ /1982ء، ج:1، ص:347

[67] محمد معصوم، خواجہ، مکتوبات، ج:3 ص:41

[68] محمد عبید اللہ، حسنات الحرمین، ص:129

[69] محمد نذیر رانجھا، تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف، ص:242

[70] J. F. Richards, The New Cambridge History of India, P. 102

[71] Schimal, Annemarie, The Empire of The Great Mughals, P. 109

[72] Yaseen, Mohammad, Dr. A Social History of Islamic India, P.171

[73] سعدی سنگروری، اورنگزیب عالمگیر، وحید سنٹر لاہور، 1991ء، ص:76

[74] Stanlay L. P. Aurangzeb and the Decay of the Mughal Empire, P.10

[75] برنیر، ڈاکٹر، شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اورنگزیب (مترجم)، ص:177

[76] محمد ساقی، مستعد خان، مآثر عالمگیری، ص:89,97,110,181

[77] Stanlay L. P. Aurangzeb, p .74

[78] Stanley L. P. Aurangzeb, P.66

[79] Baig, Abdullah Anwar, Since Our Fall, P.61

[80] گیلانی، مناظر احسن، تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ، نفیس اکیڈمی کراچی، 1965ء، ص:31

[81] محمد عبید اللہ، حسنات الحرمین، ص:111

[82] محمد معصوم، خواجہ، مکتوبات، ج1، ص:167

[83] صدیقی، حید رزمان، اسلامی نظریۂ سیاست، کتاب منزل لاہور، 1949ء، ص:62

[84] وحدت، عبد الاحد، شیخ، لطائف المدینہ (مترجم محمد اقبال مجددی)، حوزۂ نقشبندیہ لاہور، 2004ء، ص:13

[85] اوم پرکاش پرشاد، ڈاکٹر، اورنگزیب عالمگیر (مرتب ڈاکٹر مبارک علی)، فکشن ہاؤس لاہور، 2000ء، ص:122

[86] محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، تجلیات امام ربانی، ادارہ مظہر اسلام لاہور، 1422ھ /2001ء، ص:22

[87] محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی، ص:328

[88] Yaseen, Mohammad, Doctor A Social History of Islamic India, P.148

[89] J. F. Richard, The New Cambridge History of India, P. 100

[90] Hafeez Malik, Dr. Muslim Nationalism in India and Pakistan, Washington, America, 1963.p.55

[91] قدوسی، اعجاز الحق، اقبال اور علمائے پاک و ہند، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، 1398ھ /1977ء، ص:28

[92] مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور مذہبی تحریکیں، تاریخ پبلی کیشنز لاہور، سن ندارد، ص:26

[93] محمد حنیف رامے، اسلام کی روحانی قدریں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2006ء، ص:98